جناب نیاز سواتی
لیکچرار ڈی ایچ اے ڈگری کالج، کراچی

زوالِ امت میں ٹیکنالوجی کا کردار

کیا امت کا زوال سائنس وٹیکنالوجی میں پس ماندگی کی وجہ سے ہے؟

سائنس وٹیکنالوجی کو عام طور پر ایک ہی سمجھا جاتا ہے مگر ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔ سائنس تو معلومات کو منطق اور تجربے پر پرکھ کر متعین قوانین کی دریافت کا نام ہے۔ اس کے مقابلے میں ٹیکنالوجی، معلوم شدہ سائنسی قوانین کا اطلاق کر کے ایسی اشیاء کی تیاری کا طریقہ کار ہے جن کی مارکیٹنگ ممکن ہو اور ان اشیاء کی تیاری پر آنے والی لاگت اس کی قیمت فروخت سے کم ہو۔ اگر کسی ٹیکنالوجی کے ذریعے تیار کی جانے والی اشیاء کی لاگت ان کی قیمت فروخت سے زیادہ ہو تو ایسی ٹیکنالوجی ترک کر دی جائے گی۔ سائنس تو ایک علم کا نام ہے مگر موجودہ دور کی ٹیکنو سائنس کا گہرا تعلق سرمایہ داری کی ساتھ ہے۔ ٹیکنالوجی سرمایہ داری کی اقدار اپنے ساتھ لے کر آتی ہے۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ جن معاشروں میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو عروج حاصل ہوا ان تمام معاشروں میں مذہبی، اخلاقی اور خاندانی اقدار زوال پذیر ہو گئیں۔ امریکی اور یورپی معاشرے اس کی واضح مثال ہیں اور اب چین بھی اسی راہ پر گامزن ہے۔

تاریخ کا سب سے بڑا چیلنج جو مغربی تہذیب نے پیش کیا وہ سائنس وٹیکنالوجی کا تھا اور ہے۔ اس چیلنج کا جواب سرسید سے اب تک یہی دیا گیا ہے کہ مغرب نے اب تک کی تمام ترقی سائنس وٹیکنالوجی کے طفیل کی ہے لہٰذا اگر امت مسلمہ کو بھی اگر ترقی کے راستے پر جانا ہے اور مغرب کا مقابلہ کرنا ہے تو ہمیں بھی سائنس وٹیکنالوجی کا وہی ہتھیار حاصل کرنا پڑے گا جو مغرب کے پاس ہے۔

اس کے مقابلے میں دوسرے مکتبہ فکر کا خیال ہے کہ تاریخ کا مطالعہ اس بات کو غلط ثابت کرتا ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی کی بدولت قومیں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی مثال مسلم افواج کے ہاتھوں ایران اور روم کی طاقتوں کی شکست ہے۔ ایران کی عظیم الشان سلطنت کے انہدام کے بعد روم کے دارلسلطنت قسطنطنیہ کی فتح نے اسباب، عسکری قوت اور ٹیکنالوجی کے بجائے ایمان کو برتر طاقت ثابت کر دیا۔

بعد کے تاریخ میں تاتاریوں کے عباسی سلطنت پر حملے اور قبضے نے اس موقف کو استحکام بخشا۔ تاتاریوں نے جب عباسی

سلطنت پر حملہ کیا تو عباسی سلطنت دنیا کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس سلطنت میں علم کے عروج کا یہ عالم تھا اس کہ بیت الحکمت میں اٹھائیس زبانوں میں ترجمہ کرنے کا انتظام موجود تھا، خود دربار میں منطق، فلسفے اور انشاء پر بحثیں معمول کا حصہ تھیں۔ گھوڑوں، تلواروں اور لشکر میں عباسی سلطنت کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مگر صحرائے گوبی کے وحشی تاتاریوں نے آناً فاناً عباسی سلطنت کو الٹ کر رکھ دیا۔ اس زمانے کی سائنس میں عباسیوں کا عروج اور عظیم الشان مملکت کی شان وشوکت انہیں تاتاریوں کے ہاتھوں شکست سے نہ بچا سکی۔ تاریخ نے بتایا کہ کم تر وسائل اور سائنس سے بے گانگی تاتاریوں کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکی اور نہ ہی عباسیوں کی علمی برتری انہیں شکست سے محفوظ رکھ سکی۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ عالم اسلام نے عباسی سلطنت کی شکل میں اپنا ملک کھو دیا مگر تاریخ نے یہ بھی بتایا کہ عالم اسلام نے دوبارہ تاتاریوں پر غلبہ حاصل کر کے اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا، مگر سب کچھ سائنس کی بدولت نہ ہوا بلکہ ہوا یہ کہ تاتاریوں نے بلاشبہ جنگ کے ذریعے مسلمانوں کے مغلوب کر لیا مگر اسلام کے آفاقی پیغام سے شکست کھا گئے اور تاتاریوں کی بہت بڑی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ بقول اقبال: ع کعبے کو مل گئے پاسباں صنم خانے سے

اقبال کہتے ہیں: ع حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے جوانان تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

اب تاتاریوں کی عسکری قوت اسلام کی طاقت میں ڈھل گئی اور اسلام نے اپنی عسکری شکست کو محض اپنے ابدی پیغام کی قوت سے فتح میں بدل کر دوبارہ عروج حاصل کر لیا۔ موجودہ دور کا منظر نامہ دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قوموں کی فتح وشکست کبھی سائنس وٹیکنالوجی کی مرہون منت نہیں رہی۔ ویت نام اور امریکہ کی جنگ میں امریکہ کی تمام تر عسکری قوت اور ٹیکنالوجی کی برتری اسے شکست سے نہ بچا سکی۔ اس سے قبل افغانستان پر حملہ کرنے والی برطانیہ کی چالیس ہزار افواج میں سے صرف ایک ڈاکٹر جان بچا کر واپس آ سکا۔ مگر کہا جاتا ہے انسان نے تاریخ سے یہی سبق سیکھا ہے کہ اس نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا لہٰذا روس بھی اسی افغانستان پر حملہ آور ہوا مگر افغان جنگ نے روسی معیشت کا جنازہ نکال دیا۔ یہاں تک کہ اس وقت کے روسی صدر برزنیف نے افغانستان کو روس کے لیے ایک رستا ہوا ناسور قرار دے کر اس جنگ سے پسپائی اختیار کر لی۔ ایک بار پھر ٹیکنالوجی ہار گئی اور ایمان کو فتح حاصل ہوئی۔

سائنسی وسماجی علوم کی برتری کے باوجود مسلمانوں کی شکست کا ایک ثبوت مسلم ہسپانیہ کا سقوط ہے جس کا دردناک مرثیہ اقبال نے لکھا۔ آج بھی سائنس وٹیکنالوجی کو عروج وزوال کا واحد سبب سمجھنے والے اندلس میں مسلمانوں کی سائنسی برتری کا بہت چرچا کرتے ہیں مگر مسلم اسپین کا انجام کا ذکر کرتے ہوئے انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔ یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اسپین کے مسلمانوں کی برتری اور بلند وبالا عمارات انہیں نہ صرف یہ کہ شکست سے نہیں بچا سکیں بلکہ اسپین سے مسلمانوں کا وجود ہی صفحہ ہستی سے ہی مٹ گیا۔ آج اسپین، وہ اسپین جسے اقبال نے خون مسلماں کا امیں قرار دیا اسی اسپین میں جامع مسجد، الحمراء کے محلات اور دیگر پرشکوہ عمارات تو باقی ہیں مگر مسلمان باقی نہیں ہیں۔ اس کے

مقابلے میں مشرق وسطیٰ میں اسلام اور مسلمان اپنی سائنسی پس ماندگی کے باوجود زندہ وتوانا رہے۔ اسلام کے ابدی پیغام کی قوت کے بدولت آج حضرت صالح اور ابراہیم علیہم السلام کی تعلیمات تو باقی ہیں مگر حیرت انگیز ٹیکنالوجی سے کام لے کر پہاڑوں میں گھر اور اہرام مصر بنانے والوں کا تذکرہ بھی باقی نہ بچا اور اگر کہیں ان کا ذکر ہوتا ہے تو عبرت کی خاطر۔ فاعتبرو یا اولی الابصار

تاریخ کے واضح پیغام کو نظر انداز کرتے ہوئے دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ نے اپنی سائنس وٹیکنالوجی، دولت اور عسکری طاقت کے زعم میں روس افغان جنگ سے چور چور افغانستان پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں افغانستان کے پڑوسی ملک پاکستان نے امریکہ کی ایک دھمکی کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے امریکہ کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس جنگ کے تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستان دنیا کی بہترین افواج، قدرتی وسائل، بڑی آبادی اور ایٹمی ٹیکنالوجی کے باوجود محض ایک دھمکی میں ڈھیر ہو گیا مگر بغیر کسی باقاعدہ فوج، بڑی آبادی اور ایٹمی ٹیکنالوجی کے افغان مجاہدین نے امریکہ کو دس سال سے ایک ایسی جنگ میں مصروف رکھا ہوا ہے جس نے امریکی فوج پر اس کی ٹیکنالوجیکل برتری کے باوجود تھکن طاری کر دی ہے۔

آج نمایاں ترین مغربی جریدیوں اور اخبارات کا کہنا ہے کہ ٹیکنالوجی سے مسلح امریکی فوج کے افسر اور جوانوں نے افغانستان میں خودکشی کے نئے ریکارڈ قائم کر دیے ہیں۔ اعداد وشمار بتا رہے کہ خودکشی کرنے والے امریکی فوجی میدان جنگ میں مرنے والے فوجیوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں اور ان سے زیادہ تعداد ان سپاہیوں اور افسروں کی ہے جو نفسیاتی امراض کا شکار ہو کر ناکارہ ہو رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں افغان مجاہدین کا مورال اس قدر بلند ہے کہ وہ نیٹو فورسز کے کابل میں قائم کردہ محفوظ ترین گرین زون میں بھی کامیاب حملے کر رہے ہیں اور اپنی فتح کے بارے پرامید ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا ٹیکنالوجی واقعی کوئی عروج زوال اور انسانی مسائل کے لیے فائدہ مند ہے؟ نسل انسانی نے اپنے آغاز سے آج تک جس ادارے کے سبب اپنا وجود قائم رکھا ہے وہ خاندان کا ادارہ ہے۔ ٹیکنالوجی کی تاریخ بتاتی ہے کہ جہاں جہاں سائنس وٹیکنالوجی کو عروج حاصل ہوا ہے وہاں خاندان کے ادارے کو نقصان پہنچا ہے۔ خاندان سے وابستہ دیگر معاشرتی ومذہبی اقدار بھی ٹیکنالوجی کے حامل معاشروں میں زوال کا شکار ہو گئیں۔ جرائم، خودکشی کے حوالے سے پہلے مغربی ممالک آگے آگے تھے اب اعداد وشمار بتا رہے ہیں کہ چین خودکشی کی شرح میں سب سے آگے جا رہا ہے کیوں کہ سائنس وٹیکنالوجی میں چین کی ترقی کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ روزنامہ ٹائمز کا تجزیہ ہے خودکشی میں اضافے کا براہ راست تعلق ٹیکنالوجی میں ترقی سے ہے۔ آج دنیا میں جرائم، خودکشی اور خاندان کے زوال کا سب سے زیادہ شکار وہی ممالک ہیں جو ٹیکنالوجی کی دوڑ میں سب سے آگے ہیں۔

ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجے میں انسانی صحت اور ماحول کا پہنچنے والا ناقابل تلافی نقصان اس معاملے کا

دردناک پہلو ہے جو ٹیکنالوجی کی حامل قوموں کی سنگ دلی اور دریدہ دہنی کا شاہکار ہے۔ 2009 کوپن ہیگن میں ہونے والی عالمی ماحولیاتی کانفرنس میں ماہرین نے مسئلہ اٹھایا کہ ٹیکنالوجیکل گروتھ اور اس کے پیدا کردہ کچرے کی وجہ سے دنیا کا درجہ حرارت بڑھ رہا ہے۔اس صورت حال میں دنیا اگلے پچاس سال کے دوران رہنے کے قابل نہیں رہے گی لہٰذا تمام ریاستوں کے مل کر دنیا کے مجموعی درجہ حرارت کو کم از کم چار ڈگری سینٹی گریڈ کم کرنا پڑے گا۔اس طرح انسانیت کو سکون کے پچاس سال مل جائیں گے جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیرپا ترقی (Development Sustainable) کے متبادل طریقے وضع کیے جاسکیں گے۔کانفرنس کی اس دستاویز پر عالمی درجہ حرارت کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والے امریکہ، چین، روس، بھارت اور یورپی ممالک کسی نے دستخط نہیں کیے۔انہوں نے کہا کہ دنیا کا درجہ حرارت کم کرنے کا مطلب ٹیکنالوجیکل ڈیویلپمنٹ کا عمل سست کرنا ہے جس کے لیے ہم تیار نہیں کیوں کہ اس کے نتیجے میں ہمارا جو نقصان ہوگا اس کا کون ذمہ دار ہوگا۔اس کانفرنس میں کہا گیا کہ چین اور بھارت کی ٹیکنالوجی، یورپی ٹیکنالوجی کے مقابلے میں ردی (Obsoleted Technology) ہے جو بہت زیادہ آلودگی پیدا کرتی ہے لہٰذا یہ دونوں ممالک اپنے ٹیکنالوجیکل ترقی کو سست کریں مگر ان دونوں ممالک نے کہا کہ ہم اس ٹیکنالوجی پر کئی بلین ڈالرز خرچ کر چکے ہیں وہ ہمیں دے دیے جائیں۔مغربی ممالک نے اس ادائیگی سے انکار کر دیا۔ بلآخر اس کانفرنس میں شریک تمام ترقی یافتہ یورپی اور تیزی سے ترقی پذیر ممالک چین اور بھارت نے بزبان حال اور بزبان قال بھی کہا کہ دنیا جائے بھاڑ میں ہمیں اس سے کیا سروکار؟ اس کانفرنس کی صدارت کرنے والی خاتون اس کانفرنس کی قرارداد کا مسودہ پھاڑ دیا اور یہ کہہ کر چلی گئی کہ ان ممالک نے صنعتی ترقی کو انسانیت کے مستقبل پر ترجیح دے دی ہے لہٰذا اس دنیا کا اللہ ہی حافظ ہے۔یہ حیرت انگیز بات اس خاتون سے قبل جرمنی کے مشہور مفکر ہائیڈیگر نے اپنی کتاب (Questions Concerning Technology) میں کہی۔ہائیڈیگر نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ ٹیکنالوجی کے عفریت اور اس کے پیدا کردہ مسائل سے دنیا کو کون بچائے گا تو ہائیڈیگر کا جواب تھا کہ ٹیکنالوجی کے عفریت سے دنیا کو صرف اللہ ہی بچا سکتا ہے حالانکہ وہ خود خدا کو نہیں مانتا تھا۔

ٹیکنالوجی کے ذریعے مغرب کو شکست دینے کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مغرب تیسری دنیا کو جدید ٹیکنالوجی ٹرانسفر نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ متروک شدہ (Obsoleted) ٹیکنالوجی دیتا ہے۔ایسی ٹیکنالوجی کو ہمارے ہاں اعلیٰ اور جدید تحقیق کے نچوڑ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ایسی صورت حال میں جب کہ امت نے مغرب سے مقابلے کی ٹھان لی ہو تو کیا مغرب خود جدید ترین ٹیکنالوجی طشتری میں رکھ کر پیش کرے گا کہ یہ لو مجھے اسی ٹیکنالوجی سے ختم کر دو، ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔اس مسئلے کا دوسرا حل سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں تحقیق ہے مگر مغربی ممالک کو اس میدان پیچھے چھوڑنا ناممکن ہے۔مغربی ممالک کو ان کی ملٹی نیشنل کمپنیاں اربوں روپے کی سرمایہ کاری اس مد میں کر رہی

ہیں۔ سائنسی تحقیق کے جس میدان میں ہم ابتدائی پیش رفت کر رہے ہیں مغربی ممالک اس میں کئی دہائیاں بلکہ نصف صدی آگے ہیں۔ اس کی مثال ہمارا ایٹمی پروگرام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پروگرام نے پاک بھارت جنگ کو روک رکھا ہے اور یہ پروگرام پاکستان کے تحفظ کی ضمانت ہے ورنہ بھارت پاکستان کو ہضم کر چکا ہوتا۔ اس کے مقابلے میں ایک سوال یہ ہے کہ اس پروگرام کے آغاز سے قبل پاکستان کا تحفظ کون کر رہا تھا؟ اس پر مستزاد پاکستان کے موجودہ حالات ہیں۔ ایبٹ آباد کے واقعے نے ہماری ایٹمی تنصیبات کے تحفظ کے بارے میں کئی سوالات کو جنم دیا ہے۔ بجائے اس کے کہ ایٹمی پروگرام ملک کا تحفظ کرے پوری قوم ایٹمی اثاثوں کے تحفظ کے لیے فکر مند ہے۔

ٹیکنالوجی کی بحث میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ ٹیکنالوجی جن مسائل کا سبب ہے ان میں ایک بے حسی بھی ہے جو براہِ راست ٹیکنالوجی کے استعمال سے وابستہ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ماضی میں انسان جنگوں میں تلوار اور تیر و تفنگ کے ذریعے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھا۔ ان جنگوں میں تلوار استعمال کرنے والا اپنی بہیمیت کے نتائج کا خود مشاہدہ بھی کرتا تھا اور ان سے متاثر بھی ہوتا تھا۔ ان قدیم جنگوں میں جب تاتاریوں جیسے سفاک حملہ آوروں کی تلواریں بغداد کے ان بے بس مسلمان بچوں، عورتوں اور بزرگوں پر پڑیں جنہوں نے اپنے آخری وقت میں کلمہ طیبہ کو یاد رکھا تو تاتاریوں کو کلمہ طیبہ کے پیغام کی طاقت اور اور خود اپنی طاقت کی کمزوری کا احساس ہوا۔ اسی احساس نے تاتاریوں کے کیمپ میں ایمان کی شمع روشن کی ورنہ بغداد کی عسکری و علمی طاقت تو ہزیمت سے دوچار ہو چکی تھی۔ اگر تاتاری اسلام کے ابدی پیغام سے متاثر نہ ہو جاتے تو اس وقت دنیا کی کون سی طاقت تھی جو انہیں دشمن اسلام سے مجاہد اسلام میں تبدیل کر سکتی۔

ٹیکنالوجی کا استعمال انسانوں کو اپنے عمل کے نتائج اور مضمرات سے غیر متعلق (Detach) کر دیتا ہے۔ ایٹمی ٹیکنالوجی استعمال کر کے امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی میں بڑے پیمانے پر تباہی مچادی اور لاکھوں انسانوں کو ہلاک کرنے کے علاوہ بے شمار افراد کو اپاہج بنا دیا۔ مگر امریکہ کی حکومت اور وہاں کے عوام اس انسانی المیہ سے غیر متعلق رہے کیوں کہ ٹیکنالوجی کے استعمال کے نتیجے میں کسی زخمی اور متوفی جاپانی کے خون کے چھینٹے ان کے ہاتھوں پر نہیں پڑے اور نہ اس المیے کا انہوں نے اس جنگ میں مشاہدہ کیا۔ ایک امریکی ہوائی جہاز نے جا کر یہ تباہی کر دی اور بس مگر آج تک ہیروشیما اور ناگاساکی کے اپاہج پیدا ہونے والی جاپانی نسل اس حملے کے نتائج بھگت رہی ہے۔ روایتی اور جدید ٹیکنالوجی میں فرق یہ ہے کہ تلوار سے ہونے والی جنگ انسان کو زندگی اور اس کے حقائق سے جوڑ کر (Attach) کر کے رکھتی تھی اور اس کے برعکس جدید ٹیکنالوجی زندگی کے تلخ حقائق سے انسان کو کاٹ دیتی ہے۔ فرض کریں کہ پنٹاگون میں بیٹھے ہوئے امریکی افسروں کو معلوم ہو کہ کراچی کے ایک ادارے میں بیٹھ کر کچھ لکھاری امریکہ کے خلاف لکھ اور بول رہے ہیں جس کے نتیجے میں امریکی دفاعی مفادات کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے تو وہ امریکی افسر

ایک ٹھنڈے کمرے میں بیٹھ کر بڑے اطمینان سے امریکی بحری بیڑے کو ہماری عمارت پر میزائل داغنے کا حکم دے کر مزے سے آئس کریم کھاتے ہوئے میزائل حملے کے نتائج دیکھ سکتا ہے اس کے مقابلے میں قدیم طریقے سے دوبدولڑنے والا فوجی ہوسکتا ہے کہ بے گناہ بچوں اور بزرگوں کی خون میں لت پت لاشوں کے منظر کی تاب نہ لاسکے اور ہوسکتا ہے اپنے ہتھیار سے خود اپنے آپ کو ہی قتل کردے یا اپنے عقیدے پر موت تک استقامت کا مظاہرہ کرنے والے اہل ایمان سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلے۔ آج عالمی پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والے زبردست پراپیگنڈے اور مہم کے باوجود اسلام انتہائی تیزی سے انہی ممالک میں پھیل رہا ہے جو سائنس وٹیکنالوجی کی دوڑ میں سب سے آگے ہیں۔ مغربی یورپ میں قبولیت اسلام کی بلند شرح اسلام کے ابدی پیغام کی قوت کی مظہر ہے ورنہ وہاں تو تمام تر ٹیکنالوجی اور میڈیا تو اسلام مخالف یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔

یہ امر تو واضح ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی تو عاد وثمود اور اہرام مصر سے لے کر آج تک ہر زمانے میں موجود رہی ہے مگر اس سلسلے میں یہ سوال بھی اہمیت کا حامل ہے کہ کیا قدیم وجدید ٹیکنالوجی کا مقصد اور طریقے کار یکساں ہیں؟ اس سوال کے جواب میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم دور میں سائنس کا مقصد تلاش حقیقت تھا اور ٹیکنالوجی کا مقصد انسانی ضروریات کی تکمیل رہا ہے مگر جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا واحد مقصد سرمائے کا زیادہ سے زیادہ ارتکاز ہے۔ ایسی ہر ایک ایجاد جو سرمائے میں اضافے کا باعث نہ بن سکے فروغ نہیں پاسکتی۔

(بقیہ ص ۴۸ سے) کو عملی جامہ پہنانے کے میدان میں اہم اقدامات کئے۔ اسلام کی طرف واپسی کے علاوہ صنعتی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے مقصد سے دوررس اہمیت کے اقدامات کئے گئے۔ وہ یوروپین کامن مارکٹ کو ترکی کے تشخص کو ختم کرنے کے لئے عیسائی اور صہیونی منصوبہ کا حصہ سمجھتے تھے' اس کے مقابلہ میں انہوں نے اہم اسلامی ممالک کا ایک بلاک D-8 کے نام سے قائم کیا' جس میں ترکی کے علاوہ ایران' ملیشیا' انڈونیشیا' مصر' بنگلہ دیش' پاکستان اور نائیجیریا شامل تھے' اپنے قدیم ورثہ کی بازیافت' اسلامی ممالک سے قریبی تعلقات کی استواری اور اسرائیل اور یورپ دشمنی انکی پالیسی کے بنیادی عناصر تھے' رفاہ پارٹی کے ممنوع ہونے کے بعد انکے کچھ ہم نواؤں نے جنہوں نے انہی کی تربیت اور رہنمائی میں سیاست کا سبق پڑھا تھا' موجودہ وزیراعظم رجب طیب اردگان کی قیادت میں جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی (AKP) بنائی' جناب اربکان اس کو صہیونی سازش کا حصہ قرار دیتے تھے' پروفیسر اربکان سے بعض بنیادی امور میں اختلاف کے باوجود گزشتہ چند برسوں میں طیب اردگان کی قیادت میں ترکی نے احیاء اسلام کے محاذ پر جو غیر معمولی پیش رفت کی ہے اس سے شاید یہ نتیجہ نکالنا نامناسب نہ ہو کہ یہ قدم ملک میں پائی جانے والی صورتحال کے تناظر میں اسلام کی خدمت کے مقصد سے اٹھایا گیا تھا' صدر عبداللہ گل اور وزیراعظم طیب اردگان دونوں پروفیسر اربکان کے تربیت یافتہ ہیں اور انہیں ہوجہ (Hoca) یعنی استاد کے نام سے یاد کرتے ہیں' وہ بلاشبہ اسلام کی شیدائی نئی ترک نسل کے استاد اور ترکی میں احیاء اسلام کے ہراول دستہ کے قائد تھے' اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ (بشکریہ "معارف" انڈیا)